سے واسطہ پڑا اور یہی لوگ اس کے دوست بنے۔

جیل کی زندگی میں کوئی تبدیلی' کوئی تنوع نہ تھا۔ روز بہ روز' سال بہ سال وہی کڑی' بے رنگ دیواریں اور پرانے غیر دلچسپ چہرے۔ آسمان کا قطعی وہی حصہ جو پہلے روز نظر آیا تھا ہمیشہ نظر آتا رہا اور کبھی کبھار اس سے پرندے گزرا کرتے۔ عام طور پر آسمان مٹیالا' یک رنگ رہتا۔ صرف برسات کا موسم نعیم کے لئے خوشی کا پیغام لے کر آتا جب بادل آسمان پر چلتے اور یوں لگتا جیسے آسمان چل رہا ہے۔ وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہوئے گھنٹوں لیٹا آسمان پر آگے پیچھے دوڑتے ہوئے بادلوں اور سرکتے ہوئے آسمان کو دیکھا کرتا۔

جیل کی زندگی رنگوں سے یکسر مبرا ہوتی ہے۔ کسی طرف ہریالی یا سرخی نہیں ہوتی۔ کسی کو گھاس یا سبزیاں اگانے کی اجازت نہ تھی۔ رنگین لباس برسوں نظر نہیں آتے۔ دوپہر کے قریب سفید' گرم سورج اچانک سامنے آ جاتا ہے اور طلوع و غروب کے رنگ قیدیوں کے حافظے سے محو ہو جاتے ہیں۔ گول' بدرنگ دیواروں میں چکر لگا لگا کر نظریں کند ہو جاتی ہیں اور رنگوں میں تمیز کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ زبانت سے گفتگو کرنے والا کوئی نہیں ہوتا' چاروں طرف سے گفتگو کرنے والا کوئی نہیں ہوتا' چاروں طرف وہی گنے چنے' قلاش' بدنما چہرے' جنہیں دیکھ دیکھ کر نظریں پک جاتی ہیں۔ جیل وہ جگہ ہے جہاں پر انسان کے دل میں کھلی سرسبز جگہوں اور پہاڑوں اور دریاؤں کے لئے چاہت اور آرزو پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی ان معمولی معمولی چیزوں کی خواہش دل اور آنکھوں میں خلا پیدا کر دیتی ہے اور [illegible]

کافی عرصے کے بعد جیل کی فضا میں کچھ تبدیلی پیدا ہوئی جب عدم تعاون کے سلسلے میں والنٹیروں نے قید میں آنا شروع کیا۔ نعیم کی آنکھوں کا خلا پر ہونے لگا اور ارد گرد اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر وہ واپس احساس کی دنیا میں چلا آیا۔ نو وارد تر و تازہ چہروں اور چمکتی ہوئی آنکھوں والے لوگ تھے اور پرانے باشندوں سے ہر حالت میں مختلف تھے۔ انہوں نے آتے ہی جیل کے ماحول کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کھلے بندوں حکام اور جیل کے قوانین سے عدم تعاون کا اعلان کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیل کا نظام سخت کر دیا گیا اور زائد مشقت اور درے بازی کے واقعات روز بروز بڑھنے لگے۔ ایک واقعہ جو نعیم کو بہت عرصے تک یاد رہا' ایک سولہ سالہ لڑکے کا تھا۔ وہ ذہین چہرے والا خوش مزاج اور دلیر لڑکا تھا اور اس کے چہرے پر لڑکپن کا مخصوص دمکتا ہوا حسن اور دلربائی تھی۔ وہ عدم تعاون کی تحریک میں سکول چھوڑ کر جیل چلا آیا تھا۔ آتے ہی اس نے قانون شکنی شروع کر دی۔ اس کی پیش قدمیوں سے تنگ آ کر حکام نے اس کے لئے درے بازی کی سزا تجویز کی۔ اسے مادر زاد ننگا کرنے کے بعد درے بازی کی ٹکٹکی کے ساتھ باندھ دیا گیا اور جلادوں نے جو کہ وارڈ اور سپاہیوں میں سے ہی منتخب کیے گئے تھے' کوڑے برسانے شروع کیے۔ تیل پلائے ہوئے ٹھوس چمڑے کا کوڑا اس کے کنوارے' بے داغ جسم پر پڑتا اور کاٹتا ہوا چلا جاتا۔ اس کے سارے بدن میں جھرجھری پیدا ہوتی اور وہ پوری آواز سے چلاتا۔ ''انقلاب زندہ باد'' حتیٰ کہ درد کی شدت سے اس کا چہرہ کاغذ کی طرح سفید اور جسم نیلا پڑ گیا اور اس کی آواز آہستہ ہوتی ہوئی بالکل بیٹھ گئی اور وہ

گردن ایک طرف ڈھلکا کر رونے لگا۔ گیارہ کوڑوں کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔

جیل کے عملے نے اپنی زندگیوں میں ایسے قیدی کب دیکھے تھے جو اپنی مرضی سے جیلوں میں داخل ہوئے تھے اور جو اس قدر ذہین، چست اور خوش و خرم تھے اور جنہوں نے ان کا ہر حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ قید سے نکلنا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اس کے لئے انہیں صرف ایک معافی نامہ لکھنا ہوتا تھا اور آئندہ کے لئے پُر امن چال چلن کا وعدہ کر کے وہ باہر جا سکتے تھے۔ ان کے بارے میں جیل کے عملے کو اعلیٰ حکام کی طرف سے خاص ہدایات موصول ہوئی تھیں۔ ان دنوں میں ان جیلروں کو خاص ترقیاں اور خطابات عطا کئے گئے جن کا سلوک قیدیوں کے ساتھ خصوصی طور پر سنگدلانہ تھا۔

ایک مرتبہ نعیم کی ساتھ والی کوٹھڑی میں کچھ دیر کے لئے چند خاتون قیدیوں کو رکھا گیا جو عدم تعاون کے سلسلہ میں قید ہوئی تھیں۔ وہ تعلیم یافتہ اور مہذب طبقے کی عورتیں تھیں لیکن انہیں پختہ اور عادی مجرم عورتوں کی زبانی جن کے ساتھ انہیں ٹھہرایا گیا تھا، کچھ اس قسم کی باتیں سننا پڑیں:

”تم تو بڑی خوبصورت ہو۔“

”جیلر کے ساتھ سو ؤ تو چھوٹ جاؤ گی۔“

”اکیلی ہو گی؟“

”[illegible]“

اس کے علاوہ گندے الفاظ اور گالیوں کی بھرمار تھی جو اس آفت خیز دور میں ہندوستان کی ہزاروں مہذب عورتوں کو سہنا پڑی۔ نعیم نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی بیوی کو کبھی جیل میں نہ آنے دے گا۔

سال کے آخری دنوں میں روشن آغا کے سیاسی دوستوں کی مجلس منعقد ہوئی جیسے گزشتہ کئی برسوں سے ہوتی آ رہی تھی۔ یہ لوگ ملک کی متوازی سیاسی جماعتوں میں ایک سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے آپ کو ”لبرل“ کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ بارسوخ اور روشن خیال تعلقہ دار طبقے سے تعلق رکھنے والے تقریباً سب کے سب اعلیٰ تعلیم یافتہ، ذہین اور تن آسان لوگ تھے جن کے پیچھے شان دار خاندانی روایات تھیں۔ یہ لوگ سیاست میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔

دسمبر کی وہ سرد صبح روشن محل میں چہل پہل لے کر آئی تھی۔ بڑے گیٹ پر جھلیاں رکی تھیں اور اندر برآمدے کے سامنے موٹر گاڑیوں کی قطار تھی۔ یہ دلی کے جاڑوں کا خوبصورت ترین دن تھا جب کہ رات بھر کی پڑی ہوئی شبنم خشک ہو چکی تھی اور مہمان، جو زیادہ تر صبح کے انگریزی لباس میں تھے، ہلکے رنگ کی ٹائیاں اور شوخ رنگ سکارف لگائے، ہاتھوں میں سگریٹ، سگار اور سنگترے کے رس کے گلاس تھامے باہر سبزے پر نکل آئے تھے۔ کئی ایک سبزے پر بچھے ہوئے سفید بید کے مونڈھوں پر بیٹھے سستا رہے تھے۔ ایک انگریز خاتون جو ہندوستانی لباس میں تھی، مونڈھے کی پشت پر چھوٹی سی پھولدار چھتری لگائے تین مردوں کے ساتھ بیٹھی پھلوں کا رس پی رہی تھی۔ اس

UrduPhoto.com

نے آنکھوں پر دھوپ کی عینک لگا رکھی تھی۔

"گریپ فروٹ۔" خاتون کے پاس بیٹھے ہوئے ایک مرد نے قریب سے گزرتے ہوئے بیرے سے کہا۔ بیرا مستعدی سے جھکنے کے بعد اندر کی طرف لپکا اور پل کے پل میں معزز مہمان کے لئے گریپ فروٹ کا رس لے آیا۔

وہ سب دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بٹے ہوئے دھیمی' ملائم آوازوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ خلاف معمول آج استقبال کے رسمی فرائض انجام دینے کے لئے کوئی نظر نہ آ رہا تھا۔ خالہ بیمار تھی' پرویز کی تعیناتی ضلع میں کہیں ہو چکی تھی اور عذرا ان دنوں روشن پور میں تھی۔ چنانچہ نو وارد مہمانوں کے گاڑیوں سے اترتے ہی روشن محل کا ایک ملازم ادب سے جھک کر اطلاع دیتا کہ روشن آغا فلاں مہمانوں کے ساتھ اندر' مجلس کے خصوصی نشست کے کمرے میں اور باقی مہمان باہر دھوپ میں ہیں۔ آنے والا اپنی مرضی کے مطابق اندر یا باہر کی طرف بڑھ جاتا۔ لیکن جاڑوں کی اس صبح کو تازہ' چمکدار دھوپ آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی اور سبزے پر پھیلا ہوا اجلا مجمع نو واردوں کو اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔

روشن آغا اپنے اہم مہمانوں کے ساتھ سنجیدہ گفتگو میں محو تھے کہ باہر دو گھوڑوں والی ایک بگھی آ کر رکی اور اس میں سے تین مہمان اترے۔ تینوں ادھیڑ عمر کے تھے۔ ایک نے کشمیری برہمنوں کا اور دوسرے نے مرہٹوں والا لباس پہن رکھا تھا۔ تیسرا دبلا پتلا' لمبوترے چہرے والا آدمی انگریزی لباس میں تھا اور آنکھوں پر [illegible] فریم کا چشمہ لگائے ہوئے تھا۔ تینوں ایک [illegible] روشن [illegible] اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم اندر آ سکتے ہیں؟" دروازے میں رک کر مرہٹے نے اپنائیت اور ادھیڑ عمر خوش خلقی کے لہجے میں کہا۔ روشن آغا وہیں کھڑے کھڑے دونوں بازو پھیلا کر بولے۔ "ہر وہ عالی ظرف [illegible] جو دنیا میں آئی ان دروازوں پر عزت اور محبت سے قبول کی جائے گی۔" پھر انہوں نے آگے بڑھ کر تینوں کا پُرجوش استقبال کیا۔ دوسرے مہمان اپنی اپنی جگہ پر اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کے میزبان نے نو وارد مہمانوں کا تعارف کرایا۔ ہندوستانی لباس میں دونوں شخص بالترتیب پونا اور بمبئی سے آئے ہوئے تھے اور "مجلس خدام ہند" سے تعلق رکھتے تھے۔ دبلے چہرے والا شخص لکھنؤ کے ایک مشہور انگریزی اخبار کے عملے کا ممتاز رکن تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تینوں مہمان آرام سے دھنس کر صوفوں میں بیٹھ چکے تھے اور کافی پی رہے تھے جس کی خواہش انہوں نے خود ہی ظاہر کی تھی۔ انہیں دیکھ کر باہر کے لوگ بھی اندر آ آ کر بیٹھ رہے تھے۔ ہر طرف پُرجوش مصافحوں اور استقبالیہ جملوں کا شور تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں نشست کا کمرہ لوگوں سے بھر گیا۔ لمبے ریشمی پردے اکٹھے کر دیئے گئے اور کھلے دریچوں میں سے صبح کی دھوپ اندر آنے لگی۔ باہر جو گروپ بنے ہوئے تھے ٹوٹ کر بکھر چکے تھے' چنانچہ نئے ساتھی مل جانے پر گفتگو پھر شد و مد سے شروع ہو چکی تھی۔ دریچوں میں سرما کے پھول دھات کے قدیم گلدانوں میں سجائے گئے تھے۔ لوگوں کے سروں کے اوپر اوپر مکھیوں کی بھنک کی طرح شائستہ انسانی آوازوں کی گونج تیر رہی تھی اور تمباکو کا دھواں سورج کی شعاعوں

میں سفید' ریشمی چادر کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔

''تاریخ کا مطالعہ سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے از حد ضروری ہے۔'' ڈاکٹر امید کر' جن کی جاگیریں اودھ کے علاقے میں تھیں' پائپ منہ میں ڈالے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک سفید فام شخص سے کہہ رہے تھے۔ ''ہمیں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جب قومیں تاریخ کے علم کی کمی کی وجہ سے سیاسی جدوجہد ہار گئیں۔ میں نہیں جانتا کہ ہندوستان کے عوام کو جو نوے فیصد ناخواندہ ہیں' کیسے سیاسی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ یہ جو بعض لوگ 'عوامی تحریکوں' کا چرچا کر رہے ہیں یہ کس حد تک دانش وری ہے' آپ بتا سکتے ہیں؟ عظیم انقلاب فرانس' یا حال کی بات کریں تو روسی انقلاب جو رونما ہوا تو مختلف حالات اور تاریخی پس منظر اور قطعی مختلف قسم کے عنصر کے ہاتھوں۔''

''عوام دانش وروں کے ہاتھ میں ایک خطرناک ہتھیار ہیں۔'' سفید فام نے "Quote" کیا۔ خاتون جو مستقل دھوپ کی عینک لگائے ہوئے تھیں' سیاست کے موضوع سے اکتا کر اب بچوں کی نفسیات کا ذکر کر رہی تھیں۔ ''ایک عجیب بات جو میں سوچ سوچ کر نہیں سمجھ سکی یہ ہے کہ ہندوستانی بچوں کی ناک ہر وقت کیوں بہتی رہتی ہے؟ حالانکہ یہ استوائی خطہ ...'' انہوں نے راجہ صاحب کرم آباد سے کہا جو نرگس کا پھول سونگھتے ہوئے اخلاق سے مسکرائے جا رہے تھے۔

پروفیسر اقبال سنگھ جن کی کرسی میں اوسط درجے کی جاپانی تھی پر جو تھا بگولا آدمی حسب معمول ادب کا ذکر کر رہے [illegible] رولاں سے بھی نہیں کر سکتے جو کہ اس کا ہم عصر تھا۔ مثلاً رومین رولاں میں جو معاشی شعور۔''

''مگر فرانسیسی نقاد ....'' دائیں پہلو سے ایک شخص نے بات کرنے کی سعی کی جس پر پروفیسر اقبال سنگھ جھلا گئے۔

''میں فرانسیسی نقادوں کو نہیں مانتا۔ فرانسیسی شر پسند ہیں' قطعی طور پر ...... فرانسیسیوں نے نہ شاعری اچھی کی ہے نہ فلسفہ دانی' وہ صرف ادب میں اور آرٹ میں نئی نئی تحریکیں چلانے میں ماہر ہیں' وہ بھی دو چار روز میں پرانی ہو کر فرسودہ ہو جاتی ہیں۔ سارے فرانسیسی تنقیدی ادب کی بنیاد گھٹیا افواہوں اور تہمت تراشی پر ہے۔''

''گوتھک طرز تعمیر ہندوستان سے ہی ایشیا اور افریقہ میں پھیلا۔'' اگلے صوفوں پر بات ہو رہی تھی۔

''افریقہ میں؟ لاحول ولا قوۃ۔'' کسی نے کہا۔

تھوڑی دیر تک اسی طرح مختلف دائرہ احباب میں ذاتی پسند کے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ رفتہ رفتہ ٹمپو' تیز ہوتا گیا پھر اچانک' تحریک اور ترغیب کے بغیر' جھنجھناہٹ کی وہ یکسانیت ایک طرف سے ٹوٹ گئی جب روشن آغا کے پاس بیٹھے ہوئے مجلس خدام ہند کے نمائندے نے سب کو مخاطب کر کے بولنا شروع کیا:

''افواج انگلشیہ کے ملک سے انخلا کا مطالبہ اس وقت میں سخت غیر دانش ورانہ ہے۔ اس کے سپرد تنظیم ملک کے دفاع کا کام ہے اور اس نے اپنے فرائض ایمان داری سے سرانجام دیئے ہیں۔ جنگ عظیم میں انہوں نے

اپنی قدر و قیمت واضح کر دی ہے۔ اپنے ملک کے ساتھ ساتھ انھوں نے ہمارے ملک کو بھی جنگ کی ہولناکیوں سے بچایا اور ملک کے تتر بتر عوام میں سے ایک فوج کھڑی کی ہے۔ کیا ہماری فوج ہندوستان کو جنگ سے بچا سکتی تھی؟ جب کہ فوج کا ملک کی اندرونی پالیسی میں کوئی دخل نہیں ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس کی موجودگی سے انتقال نظم و نسق میں کون سی رکاوٹ پڑ سکتی ہے۔ اگر وہ لوگ ہماری فوج کی سربراہی چھوڑ کر چلے گئے تو۔ آپ جانتے ہیں؟ ایک غیر منظم مسلح فوج اوہ......'' اس نے آنکھیں میچ کر اس خوفناک خیال پر ہلکی سی جھرجھری لی۔

پروفیسر سنگھ نے وہیں سے اس کی بات اٹھائی: ''ہندوستان میں کون سے اسلحہ جات بن رہے ہیں؟ اب ہوائی جنگ کا زمانہ شروع ہو چکا ہے۔ ہم ترقی یافتہ جنگوں کا اررر...... ترقی یافتہ ملکوں کی جنگ کا اررر...... کے حملوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟''

لکھنؤ کے انگریزی اخبار کے نمائندے نے اپنے خاکستری رخساروں پر ہاتھ پھیرا اور چشمہ ناک پر ٹھیک کرتے ہوئے بولا: ''نازک ترین مسئلہ جو اس وقت درپیش ہے ''ٹوٹلیٹیرینزم'' کا ہے۔ وہ آمرانہ پالیسی جس کی طرف بعض انتہا پسند جماعتیں ملک کو لے جا رہی ہیں۔'' یہ الفاظ اس نے نظریں اٹھائے بغیر متفکرانہ لہجے میں کہے اور اسی طرح نیچے دیکھتا ہوا بیٹھا رہا۔

ڈاکٹر اسید کرنے پہلی بار پائپ منہ سے نکالا۔ ''ابھی پروفیسر سنگھ نے......''

[illegible] لہجے میں بول اٹھا:

''سوراج! سوراج کیا ہے؟ قومیت! قومیت کیا ہے؟ یہ بین الاقوامیت کا دور ہے۔ اشتراکی قومیں اور یورپی اقوام اس قومیت کے خبط میں علیحدگی میں جا پڑی ہیں اور اب معاشی تکلیفات میں مبتلا ہیں۔ کوئی قوم آج اکیلی زندہ نہیں رہ سکتی۔ خود مختاری اور نیشنلزم کا نعرہ ایک نہایت تنگ خیال معاشی اور سیاسی نظریے کا حامل ہے۔ کیا ہم ترقی یافتہ ملکوں سے تجارتی تعلقات منقطع کر کے اپنی ساکھ قائم رکھ سکتے ہیں؟ خود مختاری اور اسے حاصل کرنے کا جو طریقہ کار بتلایا جاتا ہے۔'' وہ خاموش ہو گیا۔

اخبار کا نمائندہ گالوں پر ہاتھ پھیرتا اور عینک ٹھیک کرتا ہوا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور انگریزی میں بولنے لگا: ''یہی طریقہ کار ہے جو سراسر غلط ہے۔'' ڈائرکٹ ایکشن۔'' جسے بعض انتہا پسند جماعتیں اچھال رہی ہیں قطعی طور پر وحشت انگیزی ہے۔''

تمام مہمان خاموشی سے بیٹھے سگریٹ پیتے رہے۔ خاتون نے سیاہ عینک اتار کر صاف کی اور دوبارہ لگالی۔

پھر مرہٹوں کے لباس والا شخص جو اس تمام دوران میں خاموش بیٹھا رہا تھا چھڑی کو انگلیوں میں گھما کر پہلی دفعہ بولا: ''دوسروں پر اعتراضات کرنے سے پیشتر بہتر ہے کہ اپنا نقطۂ نظر واضح کیا جائے۔ ہر بات وقت اور حالات کے مطابق وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم مرکزی حکومت کی باگ ڈور سنبھال سکیں۔ ہمیں دفاع یا خارجہ پالیسی سے تعلق نہیں ہے لیکن وزارت خزانہ اور ملک کا عام بندوبست ہمارے ہاتھوں میں ہو

UrduPhoto.com

چاہیے۔ اس کا مطلب۔" اس نے چھڑی اٹھا کر ایک پل کو سوالیہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا' پھر فیصلہ کن انداز میں چھڑی زمین پر ٹیکتے ہوئے بولا: "ڈومینین سٹے ٹس۔"

اس کے باوجود صبح کا زیادہ تر وقت دوسروں پر اعتراضات کرنے میں صرف ہوا۔ دوپہر کے قریب سب مہمان اس کارروائی سے اکتا گئے اور خالی خالی نظروں سے خطاب کرنے والوں کو دیکھنے لگے۔ واضح طور پر دوپہر کے کھانے کا انتظار ہو رہا تھا۔ یہ دعوت ان دعوتوں میں سے تھی جن کے لئے روشن محل مشہور تھا۔

کھانے کے بعد معزز مہمانوں کی گرانیٔ طبع کا خیال کرتے ہوئے عجلت کے ساتھ ایک ریزولوشن پاس کیا گیا جس میں ملک کی انتہا پسند جماعتوں کی دہشت انگیز کارروائی کی مذمت کی گئی اور "ڈومینین سٹے ٹس" کا مطالبہ کیا گیا۔ زیادہ تر مہمان غنودگی کی حالت میں تھے اور بعض صوفوں پر دراز باقاعدہ قیلولہ کر رہے تھے۔

(۲۴)

سائمن کمیشن کے لکھنؤ پہنچنے سے دو روز قبل عذرا وہاں پہنچی۔ لکھنؤ میں اسے دو کام کرنے تھے: ایک نعیم سے ملنا' دوسرے سائمن کمیشن کا استقبال۔

اس [illegible] سائمن کمیشن کی بے پناہ تشہیر ہو چکی تھی اور جن شہروں میں ابھی اسے جانا تھا وہاں ہفتوں پہلے سے سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ اس کا استقبال کرنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ اس سے متعلق خبروں کو انتہائی اہمیت دی جا رہی تھی۔ ملک کے بڑے بڑے اخباروں میں اس کی نقل و حرکت اور دیگر مصروفیات کا حال جلی حروف میں چھاپا جاتا تھا اور ہر مجلس' ہر محفل میں اس کا تذکرہ تھا۔ عذرا اس موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتی تھی۔ دلی میں روشن آغا کے ڈر سے وہ کسی مظاہرے میں شریک نہ ہو سکتی تھی' چنانچہ اس نے لکھنؤ جانے کی ٹھان لی' جہاں پر وہ ضلع جیل میں نعیم سے بھی مل سکتی تھی۔ اس ملاقات کو بہر حال اس نے اس وقت تک ملتوی رکھا جب تک کہ سائمن کمیشن کا استقبال نہ کر لیا۔

لکھنؤ کی اس شفاف صبح کو وہ کانگرس کے دفتر سے روانہ ہوئے۔ شہر اور آس پاس کے دیہات سے آئے ہوئے وہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ ان میں سے زیادہ تر تو شہر پہنچنے کے لئے رات بھر پیدل چلتے رہے تھے۔ گرد آلود بالوں اور تھکے ہوئے چہروں والے وہ جاہل' ننگے اور بےبس لوگ ایک ایک دو دو کر کے جمع ہوتے ہوئے اب ایک مہیب اور متحرک قوت کی شکل اختیار کر چکے تھے جس پر قابو پانے کا کام حکومت کی مسلح انتظامی مشینری کے سپرد تھا۔ مویشیوں کے گلے کی طرح ایک دوسرے سے بھڑتے' ریلتے پیلتے اور گرد اڑاتے ہوئے ان لوگوں کی آنکھوں میں کوئی تہیہ' کوئی بغاوت نہ تھی۔ صرف لاعلمی اور امید تھی' جو بھوکے مویشیوں کی آنکھوں میں دور سے چارے کا بھیت دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ ان کا نظارہ دیکھنے والے کے دل میں ایک مجموعی طاقت کے ساتھ ساتھ بےاندازہ رحم

UrduPhoto.com

کے جذبات پیدا کرتا تھا۔ عذرا نے انہیں دیکھا اور سوچا۔

''ان کو کون دھوکا دے سکتا ہے انہیں کون پیٹھ دکھا سکتا ہے!!''

ہزاروں انسانی سروں کے اوپر جگہ جگہ چھوٹے بڑے سیاہ جھنڈے لہرا رہے تھے اور ہجوم میں بار بار تین انگریزی الفاظ کی پکار اٹھ رہی تھی۔ "Simon, Go Back." شاید یہ انگریزی زبان کے صرف تین الفاظ تھے جو ان میں سے بہت سوں نے عمر بھر میں سیکھے تھے اور ان کا مطلب ان میں سے کسی کو بھی نہ آتا تھا لیکن وہ انہیں اس جذبے سے دہرائے جا رہے تھے جیسے ان کی سینکڑوں برس کی مشقت اور غربت کا انعام انہی تین لفظوں میں پنہاں تھا۔ مختلف سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے ان کے ساتھ مزید جتھے آ کر ملتے گئے اور ریلوے سٹیشن تک پہنچتے پہنچتے اس لمبے چوڑے جلوس میں کئی ہزار کا اضافہ ہو چکا تھا۔ راستے میں سب سڑکوں پر پولیس اور فوج کا پہرہ تھا۔ پچھلی شام اسی طرح کے ایک جلوس کو لاٹھی چارج کے ذریعے منتشر کیا جا چکا تھا۔

ریلوے سٹیشن کے سامنے ایک میدان میں انہیں روک دیا گیا۔ گھڑسوار پولیس کے جوان آہنی زنجیر کی طرح ان کے آگے کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہروں پر کوئی جذبہ نہ تھا۔ وہ اپنے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں کی آنکھوں میں دیکھنے سے احتراز کر رہے تھے اور ہجوم کے سروں کے اوپر اوپر دیکھ رہے تھے۔ پیچھے میدان میں فوج اور پولیس کی ایک بھاری تعداد ... سے پھیلی ہوئی تھی ... ضلعے کے تمام ... جن میں زیادہ تعداد غیر ملکیوں کی ... پیچھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی ٹوپیاں آنکھوں پر ... اور دھوپ میں ان کے چہرے زرد ... رہے تھے۔ کئی لوگ آگے بڑھنے کے امکان نہ پا کر زمین پر بیٹھنے شروع ہو گئے اور جب وہ سامنے کھڑے ہوئے ... فوجیوں کے چوبی چہروں کو دیکھ دیکھ کر اکتا گئے تو آپس میں باتیں کرنے لگے۔ عذرا نے اپنے قریب چند کسانوں کو دیکھا جنہوں نے ... توڑ کر چھوٹا سا الاؤ بنایا۔ پھر ایک نے سن کا ایک ٹکڑا جلا کر آگ سلگائی۔ دوسرے نے پگڑی ٹٹول کر تمباکو اور گڑ نکالا۔ تیسرے نے حقہ تیار کیا۔ پھر وہ بیٹھ کر باری باری کش لگانے اور دلجمعی سے باتیں کرنے لگے۔ عذرا نے سنا وہ گاؤں کی باتیں کر رہے تھے اور فصلوں کی اور بیلوں کی اور تمباکو کی تعریف جو شراب سے زیادہ کڑوا تھا' اور جنس کی گرانی کی شکایت' اور اپنی عورتوں کی جو آٹھ آٹھ ماہ کی حاملہ تھیں اور کھیتوں میں کام نہ کر سکتی تھیں' اور روزمرہ کی کتنی ہی ایسی باتیں جو ہر شام کو چوپال میں بیٹھ کر کیا کرتے تھے اور عذرا نے خاموشی سے دل میں تعجب کیا کہ یہ معمولی معمولی لوگ کس قدر آسانی کے ساتھ وقت کی گرانی کو قبول کر کے نظر انداز کر دینے کے قابل تھے اور اس لحاظ سے وہ سامنے کھڑے ہوئے اور پھرتے ہوئے ان لوگوں سے کس قدر مختلف تھے جو اذیت ناک توجہ اور احتیاط کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھے۔

اگلی صف میں کھڑے کھڑے اس نے پرویز کو دیکھا جو گھڑسواروں کی قطار کے پیچھے میدان کو پار کر رہا تھا اور وہ حیران رہ گئی۔ اس کے اندازے کے مطابق اسے اس وقت دلّی میں ہونا چاہیے تھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے خیال ہوا کہ پرویز نے اسے دیکھ لیا ہے۔ وہ گھبرا گئی۔ اس سارے عرصے میں پہلی بار اسے خیال آیا کہ وہ کس قدر

نامناسب جگہ پر کھڑی تھی۔ کتنے نامناسب ماحول میں' دکانداروں اور مزدوروں اور کسانوں کے درمیان' اور وہ پرویز کی بہن تھی' خان بہادر غلام محی الدین آف روشن پور کی لڑکی تھی' اور روشن محل میں چیف کمشنر کو مدعو کیا جاتا تھا' کہ وہ گھڑ سواروں کے دوسری طرف کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی اور اس طرف کھڑی تھی' تنہا' غیر محفوظ! اسے دل میں شرم محسوس ہوئی۔ اسی وقت پولیس کے جوانوں کی قطار بیچ میں سے ٹوٹ کر سامنے سے ہٹ گئی اور سامنے گرد کا طوفان دکھائی دینے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گرد میں سے نکل آئے۔ یہ گھڑ سوار فوجیوں کی قطار تھی جو میدان کے سارے طول میں پھیلی ہوئی تھی اور تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

پوری رفتار سے حملہ آور ہوتے ہوئے گھڑ سواروں کا نظارہ یقیناً حوصلہ شکن ہوتا ہے۔ ہجوم کی پہلی قطاروں میں ہلچل مچ گئی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھنے لگے۔ پھر یک بیک' کسی ان دیکھی طاقت کے تحت مجمع ساکت ہو گیا اور فضا پر مکمل خاموشی چھا گئی' جیسے کمرہ امتحان میں ہزاروں طالب علموں پر چھا جاتی ہے۔ صرف گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز باقی رہ گئی جو برق رفتاری کے ساتھ لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ آندھی کی طرح گرجتے ہوئے مجمعے کے ساتھ ٹکرا کر انہوں نے باگیں کھینچ لیں اور گھوڑے اگلے پاؤں اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ عذرا نے اپنے سر پر گھوڑے کے سم ہوا میں کانپتے ہوئے دیکھے اور اپنے آپ کو ایک لمبے قد کے مرد کے پیچھے چھپانے کی کوشش کی۔ نیچے آتے ہوئے گھوڑے کا سم اسی کے ماتھے سے ٹکرا گیا' جس سے وہاں پر خفیف سا زخم آ گیا اور قطرہ قطرہ خون بہنے لگا۔

اس [illegible] طرف چیخ پکار مچ گئی۔ تیزی کے ساتھ سرسراتے اور مار کراتے ہوئے مگدر اور لاٹھیاں ان کے سروں پر سے گزرنے لگے۔ اچانک وہ بے حد خوف زدہ ہو کر واپس بھاگی۔ بھاگتے بھاگتے اس نے لاٹھیوں کی ضربوں سے گرتے' اٹھتے اور حاسدانہ جذبے کے ساتھ اپنی جگہ کی حفاظت کرتے ہوئے مرد دیکھے۔ ان کے ہاتھ واپس مار کرانے کے لئے بے چین ہو رہے تھے اور ان کے چہرے شدید نفرت سے سیاہ ہو گئے تھے۔ اور غصے' ذلت اور جسمانی تکلیف کے سارے دانت ننگے کر کے وہ زمین سے اٹھ رہے تھے۔ عذرا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اسے گھڑ سواروں کے چند چہرے دکھائی دیئے۔ ان پر بھی وہی شدید نفرت اور تناؤ تھا۔ دفعتاً کہرام اور افراتفری کے اس وقت میں عذرا کے دماغ نے بے حد واضح طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس نے سوچا کہ کس طرح انسانوں کے دو گروہ بغیر کسی دیرینہ عناد اور جان پہچان کے نفرت اور انتقام کے جذبات لے کر اچانک آمنے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں کہ حاکم اور محکوم گروہوں کے درمیان اس تیسرے گروہ کی' جو محکوم گروہ میں سے چنا جاتا اور ہتھیاروں کے طور پر استعمال ہوتا تھا' کس قدر لایعنی اور مضحکہ خیز پوزیشن ہے۔ چند لمحوں کے اندر اندر خیال کی یہ تیزی غائب ہو گئی اور وہی کنفیوژن پھیل گیا۔ لیکن یہ وقت اسے بہت دیر تک یاد رہا اور اس واقعے کے گزر جانے کے بہت عرصے کے بعد اس نے نعیم سے اس کا ذکر کیا کہ کس طرح خطرے اور ابتری کے لمحے میں اس کا ذہن حیرت ناک طور پر واضح اور تیز تھا۔

ہجوم کے عقب میں اس نے ایک شخص کو دیکھا جو ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے مجمعے کی تصویریں لے رہا تھا۔

UrduPhoto.com

وہ ماتھے کے زخم پر سے کپڑا ہٹا کر عین اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

مختصر سی مزاحمت کے بعد لوگ شدید ہوتی ہوئی ضربوں سے بلبلا کر بھاگ اٹھے۔ حملہ آوروں نے کچھ دیر تک ان کا تعاقب کیا' پھر رک گئے۔ مجمع آگے جا کر ٹھہر گیا اور اس وقت تک رکا رہا جب تک کہ سائمن کمیشن کے ارکان گاڑی سے اترے بغیر لکھنؤ سٹیشن پر سے خاموشی کے ساتھ گزر نہ گئے۔

نعیم کی مشقت میں نمایاں طور پر کمی کر دی گئی تھی اور اب وہ محض قیدیوں کے پھٹے پرانے کپڑے مرمت کرنے کے کام پر مقرر تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے سینے سلانے میں کافی مہارت حاصل کر لی اور اس کام سے خوش رہنے لگا۔

اس روز وہ آہنی شکنجے سے ٹیک لگائے بیٹھا ایک قمیض سی رہا تھا کہ (Convict Overseer)No. 19.C.O اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ ان کے عقب میں شور مچاتے ہوئے قیدی پانی کھینچ رہے تھے اور دھوپ سیدھی ان کے سروں پر پڑ رہی تھی۔ No.19 C.O. نے شیشے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جیب سے نکالا اور اس میں دیکھ دیکھ کر داڑھی کے سفید بال نوچنے لگا۔ نعیم اپنے کام میں مصروف رہا۔ اوورسیئر نے دو ایک بار کھانس کر اور پاؤں زمین پر رگڑ کر حسب معمول اپنی آمد کی اطلاع دی۔ جب نعیم نے اسے کوئی اہمیت نہ دی تو اس نے اپنی ٹانگیں' جو وہ پہلے ہی پسارے [illegible] پیچھے رکھ دیں۔

''کیا کر رہے ہو؟'' اس نے شیشے میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اندھے ہو؟'' نعیم نے جواب دیا۔

''میں نے کسی لنجے کو آج تک کپڑے سیتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

''بیکار باتیں مت کرو۔'' نعیم نے اکتا کر کہا۔ اوورسیئر کے پاؤں میں سرخ' کچی کھال کا نیا جوتا دیکھ کر وہ اس کے ٹانگیں پسارنے کا مطلب سمجھ گیا۔ اس کا جی چاہا کہ نئے خوبصورت جوتے کی تعریف کرے کہ جیل میں ایسی چیزیں کم دیکھنے میں آتی تھیں' مگر وہ جوتے کے مالک سے اس حد تک اکتا چکا تھا کہ خاموشی سے قمیض پر جھکا رہا۔ اوورسیئر شیشے میں دیکھ کر بال نوچتا اور پاؤں ہلاتا رہا۔

''تم کے برس کے ہو؟'' نعیم نے کپڑا سیتے سیتے پوچھا۔

''پینتیس۔''

''کتنی سزا باقی ہے؟''

''چالیس۔''

''باہر جانے سے پہلے مر جاؤ گے۔''

''پتا نہیں۔ شاید!''

"پھر داڑھی میں سے سفید بال کیوں نکالتے ہو؟"

"ایں؟" وہ شیشہ زمین پر رکھ کر داڑھی کھجاتا ہوا سوچنے لگا۔ پھر قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "سؤر، تم کیا سوچتے رہتے ہو۔" وہ یقیناً اچھے موڈ میں تھا کیونکہ اس نے پاؤں آگے کھسکایا اور بولا: "تم نے میرا جوتا دیکھا؟"

"نہیں۔" نعیم نے جل کر کہا۔

"ہاہا..... لومڑی کے بچے، دیکھو کیسا خوبصورت ہے۔ پتا ہے میں نے کیسے لیا ہے؟"

نعیم خاموشی سے کپڑا سیتا رہا۔ اس نے جوتا اتارا اور اس پر بچے کی طرح پیار سے ہاتھ پھیر کر بولا: "دس مہینے تک میں اس کی راہ دیکھتا رہا۔ کرم چند کو جانتے ہو، وہ لمبا اینچی جو پار سال باہر گیا تھا؟ اسے سال بھر تک میں افیم کھلاتا رہا۔ جب جانے لگا تو بولا: "استاد تمہیں دنیا سے کیا چاہیے؟" میں نے کہا "میرے پیر کی درگاہ پر سلام پہنچا آئیو۔" پھر میں نے سوچا، مدت ہوئی میں نے نیا جوتا نہیں پہنا۔ پیر کو گولی مارو۔ تو اس دن کا گیا ہوا کل وہ حرامی لوٹا اور اسے باہر والی نالی میں رکھ گیا۔ رات بھر میں اسے نکالنے میں لگا رہا۔ جب نکلا تو بھیگے ہوئے چوہے کی طرح دکھائی دے رہا تھا پر اسے میں نے نکال کر چھوڑا۔ تمہارا باپ بھی اسے نہ نکال سکتا۔ دیکھو کیا اچھا ہے نا؟"

کافی دیر کے بعد نعیم نے تلخی سے کہا: "ہاں۔"

"تم جلتے ہو اسی لیے اس کی تعریف نہیں کرتے۔ [illegible] لیے میں [illegible] کھوپڑی [illegible] زخم آئے ہیں۔"

"[illegible] آنکھیں [illegible] بھی چپکتے ہیں۔"

UrduPhoto.com

"چپ رہو۔" وہ غرایا اور شیشہ اٹھا کر داڑھی صاف کرنے لگا۔ دونوں خاموش بیٹھے اپنا اپنا کام کرتے رہے۔ پھر اوورسیئر یکلخت پکار اٹھا: "حرامزادہ۔"

نعیم نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"پسو ہے۔" اس نے پسو کو انگلیوں میں مسلا، جس سے خون اس کے پوروں پر پھیل گیا۔ "یہ کمبخت پسو داڑھی میں بھی گھس آتے ہیں۔" وہ وحشیوں کی طرح ناخنوں سے داڑھی کھجانے لگا جس سے اس کے گال جگہ جگہ سے زخمی ہو گئے اور ان سے خون رسنے لگا۔ نعیم تمسخر سے ہنسا۔

"دیکھو" اوورسیئر نے انگلی اٹھائی۔ "میں چاہے مروں یا زندہ دنیا میں چلا جاؤں، میری داڑھی میری اپنی ہے میری۔" اس نے انگلی سینے پر بجائی۔ "تم نے اس میں دخل دیا تو تمہاری داڑھی جلا دوں گا۔"

دونوں پھر اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ ذرا دیر بعد اوورسیئر نے شیشہ جیب میں ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آج ملاقات ہے۔"

"ایں؟ آج ملاقات ہے؟" نعیم چونکا۔

"ہاں۔ تمہاری بیوی آئے گی؟"

"پتا نہیں۔ تمہاری؟"

''نہیں۔ میری بیوی اب دوسرے مرد کے ساتھ رہتی ہے۔'' وہ جانے کے لئے مڑا' پھر رک کر بولا۔ ''پہلے ہر سال آیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا ''تمہاری خواہش نہیں ہوتی؟'' کہنے لگی۔ ''ہوتی ہے۔'' میں نے کہا: ''جاؤ' جس مرد کے ساتھ جی چاہے رہو۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اس کے بعد وہ نہیں آئی۔'' کچھ دیر تک وہ وہیں کھڑا ہتھیلی پھیلا کر اس میں دیکھتا رہا۔ ''لیکن کبھی کبھی۔ مجھے یاد آتی ہے۔''

نعیم اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھ کر داڑھی مونڈنے اور بازو حاصل کرنے کے لئے چلا گیا۔

دوپہر کے بعد ملاقات شروع ہوئی۔ حسبِ معمول قیدیوں اور ملاقاتیوں کو سات سات کی ٹولیوں میں آمنے سامنے دس گز کے فاصلے پر کھڑا کر دیا گیا۔ نعیم نے داڑھی مونڈلی تھی لیکن اس روز وہ اپنا بازو حاصل نہ کر سکا' جیسے کہ وہ ہمیشہ ملاقات سے پہلے چند منٹ کے لئے حاصل کر لیا کرتا تھا۔ عذرا بائیں کونے میں کھڑی تھی۔ وہ اس کے سامنے والی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے فاصلے پر سے اور ایسے ہنگامے میں خوش آمدید کے الفاظ ادا کرنا ناممکن تھا' چنانچہ کچھ دیر تک وہ خاموش کھڑے رہے۔ پھر عذرا نے جیب سے اخبار نکال کر لہرایا۔

''ہم نے کل سائمن کمیشن کے لئے مظاہرہ کیا تھا۔''

نعیم کو ایک لفظ سنائی نہ دیا۔ تمام قیدی اور ملاقاتی بیک وقت چلا چلا کر باتیں کر رہے تھے۔

''ہم نے سائمن کمیشن کا کالی جھنڈیوں سے جلوس نکالا۔'' وہ دوبارہ چلائی ''یہ دیکھو۔ یہ تصویر' میری تصویر..... لو۔'' [illegible] ملاقات [illegible] کے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ وہ چلاتی رہی۔ ''ہم نے انہیں یہاں پر اترنے نہیں دیا۔ وہ چوروں کی طرح سٹیشن پر سے ہی چلے گئے۔ مجھے زخم آ گیا تھا۔ یہ۔'' اس نے ماتھے پر سے کپڑا اٹھا کر دکھایا۔

نعیم کو یہ سن کر مسرت ہوئی۔ وہ غیر شعوری طور پر اپنی بیوی اور اس کے خاندان پر متفخر تھا۔

''تمہیں گھر پر رہنا چاہیے۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''ایں؟''

''تمہیں گھر پہ رہنا چاہیے۔'' اس نے دوبارہ کہا۔ عذرا نے کچھ نہ سنا۔

''وہاں پرویز بھی تھا۔ وہاں پر۔'' وہ بولتی رہی۔

اس وقت نعیم کو کھلے دروازے میں سے باہر کا نظارہ دکھائی دیا۔ ایک عورت ہاتھ میں سبزی کا تھیلا لٹکائے گزر رہی تھی۔ ایک بچہ اس کا دامن تھامے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس نے مسحور ہو کر ایڑیاں اٹھائیں اور عذرا کے کندھے کے اوپر سے باہر دیکھنے لگا۔ ایک خوابناک کیفیت اس کے سارے وجود پر طاری ہو گئی جس میں اس کے کان کبھی کبھی کام کرنا شروع کر دیتے اور عذرا کی آواز سنائی دیتی۔ اس کی تمام تر توجہ آنکھوں میں مرکوز ہو چکی تھیں۔ سبزی سے بھرا ہوا ایک ٹرک گزرا جس میں سے چند شلغم گر کر سڑک پر بکھر گئے۔ پھولدار چھاتے والی ایک عورت' تانگے' بیل' کتے' ایک خوبصورت کتے کو دیکھتے رہنے کی کوشش میں وہ کھسکتا کھسکتا ساتھ والے قیدی کی

بغل میں گھس گیا' جس نے دھکا دے کر اس کا طلسم توڑ دیا۔ وہ خالی خالی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ والے دو قیدی بیک وقت پوری آواز سے چلا رہے تھے۔

''لال گائے نے کیا دیا ہے؟'' ایک نے پوچھا۔

''دو روپے۔'' اس عورت نے چلا کر دوسرے کی بات کا جواب دیا جو اپنے ملاقاتی سے جوار کا بھاؤ پوچھ رہا تھا۔ ''دو روپے من۔''

پہلا قیدی جھنجھلا گیا۔ ''چپ رہو سالو۔'' وہ دوسرے کی پسلیوں میں کہنی مار کر غرایا۔ نعیم کو ہنسی آ گئی۔ عذرا خاموشی سے اس کے بازو کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے کئی بار باری باری عذرا کو اور اپنے بازو کو دیکھا۔

''ہاں۔ وہ لے گئے ہیں۔''

''کیوں؟'' عذرا نے پوچھا۔

''مل جائے گا۔ صاف کرنے کو دیا ہے۔'' اس نے جھوٹ بولا اور لٹکتی ہوئی آستین کو مروڑنے لگا۔

''یہ لو۔'' نگران کی آنکھ بچا کر عذرا نے سگرٹوں کا ایک پیکٹ اس کی طرف اچھالا۔

چند منٹ کے بعد ملاقات ختم ہو گئی اور وہ دل میں ایک بھاری لامتناہی خلش لے کر وہاں سے لوٹ آیا۔ اس نے عذرا کی کمی کو اس وقت محسوس کیا جب کہ وہ جا چکی تھی۔ وہ اپنی کوٹھڑی میں آ کر لیٹ گیا اور خواہش کی شدت [illegible] اس کا جی چاہا کہ وہ اس کے قریب بیٹھے' اسے چھوئے' اسے محسوس کرے' اس کی جلد کی ہلکی ہلکی گرمی' ہلکی ہلکی خوشبو کو سونگھے اور جذب کرے' اس کے جسم کی ڈھلانوں پر ہاتھ پھیرے۔ وہ آہستہ آہستہ پتھر کی دیوار پر ہاتھ پھیرنے لگا اور جلتی ہوئی خواہش کا دھیما' پگھلتا ہوا درد اس کے جسم پر پھیلتا گیا۔ وقفے وقفے پر وہ بھوکے ہوئے جانور کی سی خشک' مختصر آوازوں میں کراہنے لگا۔

چند گھنٹے کے مدقوق جذبے میں گھلنے کے بعد اس کی آنکھیں نمایاں طور پر اندر دھنس گئیں اور رخساروں کی ہڈیاں باہر نکل آئیں۔

اندھیرا ہونے سے پہلے C.O. نمبر 19 کی کوٹھڑی میں آیا۔

''اٹھو۔ اندھا جیب کترا جا رہا ہے۔''

''جا رہا ہے؟'' نعیم نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔ دنیا میں'' پھر وہ چونک پڑا۔ ''ایں؟ تم بیمار ہو؟''

''نہیں۔'' نعیم نے جھوٹ بولا۔ ''میں نے کھانا نہیں کھایا۔''

اور وہ جیل والوں کو گالیاں دینے لگا جو کھانے میں ریت ملا کر دیتے تھے۔ پھر وہ دونوں اندھے جیب کترے کی طرف چل پڑے جو چھ ماہ گزار کر باہر جا رہا تھا۔

اس کے گرد سب پرانے قیدی' جنھیں اس وقت باہر پھرنے کی اجازت تھی' جمع تھے اور اس کے ساتھ ٹھٹھہ کر رہے تھے۔ سی او نمبر انیس نے جاتے ہی ایک زوردار دھپ اس کی کمر پہ جمایا جس سے اس کا سر زمین سے جا لگا۔ پھر وہ اس کی داڑھی پکڑ کر ہلاتے ہوئے بولا:

"اندھے سور' بڑے خوش ہو رہے ہو۔ دنیا میں جا رہے ہو اس لئے؟ ابھی کوئی دن میں پھر یہاں آؤ گے۔"

اندھے نے دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے داڑھی کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔ "اب کے میں ان حرامیوں میں تو نہیں آؤں گا۔ میری داڑھی کا ستیاناس کر دیا ہے۔"

اردگرد ہنسی کی ایک لہر اٹھی۔

"اندھے' تم دنیا میں کس کے پاس جاؤ گے؟" ایک نے پوچھا۔

"باپ کی قبر پر۔"

"کیوں؟"

"وہاں میں نے کچھ نقدی دبا رکھی ہے۔ ابھی کچھ روز اس پر گزران کروں گا جب تک ان کا آدمی میرے پیچھے لگا رہے گا۔ پھر اپنا دھندا شروع کروں گا۔"

"پھر تم گھر جاؤ گے؟"

"گھر کوئی نہیں۔"

"بیوی؟"

"اوہ ہنہ۔" اس نے گونگوں کی طرح سر ہلایا۔

"ماں؟"

"اوہ ہنہ۔"

"باپ؟"

اندھے نے بڑی سی گالی دی۔ "گدھے کے بچے اسی کی قبر پر تو جاؤں گا۔"

"اندھے' اب تم پہلی جیب کب کاٹو گے؟" اسے تنگ کرنے کے لئے ایک قیدی نے پوچھا۔

"ہٹ جاؤ..... ہٹ جاؤ۔" اچانک اندھے نے چیخ کر کہا اور دھکے مار مار کر سب کو پیچھے ہٹا دیا۔ "کھجلی شروع ہو گئی۔" پھر وہ وحشیوں کی طرح ناخنوں سے پاؤں کو کھرچنے لگا۔ اس کے پاؤں غلیظ تھے اور ان پر جگہ جگہ پھٹے ہوئے زخم تھے۔ کھرچنے سے زخم چھل گئے اور ان سے خون رسنے لگا۔ اندھا بے دردی سے کھرچ رہا تھا اور درد کے مارے سی سی کرتا جا رہا تھا۔ دوسرے قیدی اردگرد کھڑے قہقہے لگاتے رہے۔

آخر اوورسیئر نے گالیاں دے کر سب کو چپ کرایا اور وہ اسے بڑے دروازے تک چھوڑنے کے لئے گئے۔ بہت سی ابابیلیں دوسرے آسمانوں پر سے اڑ کر جیل کے آسمان پر آ گئی تھیں۔ اندھے کے جانے کا وقت ہو

UrduPhoto.com

چکا تھا۔ وہ سب فطری طور پر خاموش اور اداس ہو گئے۔ وہ کانپتی ہوئی ٹانگوں سے بڑے آہنی گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ شام کے دھندلکے میں وہ سب غول بیابانی کی طرح بے جان بازو لٹکائے حریص، بے نور نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً .C.O نمبر 19 ان میں سے نکل کر بھاگ پڑا۔ اندھے جیب کترے کے پاس جا کر وہ رکا اور پاؤں سے جوتا اتارنے لگا۔

.C.O نمبر 19 ہنستا ہوا نعیم کی طرف آیا۔ "میری کھوپڑی ابھی تک زخمی چوہے کی طرح دکھ رہی ہے۔" اس نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں نے سوچا وہ دنیا میں جا رہا ہے اور اس کے پاؤں میں کھجلی ہے۔" تاریکی تیزی سے چاروں طرف پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنی اپنی کوٹھڑیوں کی طرف لوٹ آئے۔

جب عذرا روشن محل پہنچی تو وہاں کی فضا کشیدہ تھی۔ اس کا استقبال پرانے، پُرمحبت طریقے پر نہ کیا گیا۔ اس کی ماں، جو پہلے ہی اس سے لاتعلق رہتی تھی، چپ رہی۔ [illegible] پرویز اس سے پہلے پہنچ چکا تھا اور وہ اور روشن آغا اس سے سخت خفا تھے۔ پرویز کی بیوی بظاہر اس واقعے سے بے خبر اپنے [illegible] سرپرستی اور برتری کے رویے کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے ملی۔ عذرا نے چھوٹی بھن نجمی کو اٹھا کر پیار کیا اور اس سے باتیں کرتی رہی۔ صرف روشن محل کے تمام ملازم اور ان کی عورتیں باری باری سلام کے لئے حاضر ہوئیں۔

پھر [illegible] روشن [illegible] کو سلام کرنے گئی۔ وہ اپنی سٹڈی میں چمڑے کی لمبی کرسی پر بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے۔ ان کے سر پر سبز رنگ کا فرشی لیمپ جل رہا تھا۔ پرویز سٹول پر جھک کر بیٹھا ہوا دھات کی راکھ دانی کو دریچے کے فرش پر چلا رہا تھا۔ روشن آغا نے سنجیدگی سے اس کے سلام کا جواب دے کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اٹھ کر اس کا ماتھا نہ چوما۔ سر پر ہاتھ نہ رکھا، کوئی ایسا اشارہ نہ کیا جس سے انہوں نے کئی بار پریشان حال موقعوں پر عذرا کے دل میں سکون اور سلامتی کا احساس پیدا کیا تھا۔ وہ دوسرے کونے میں جا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ پرویز عمداً اس کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے راکھ دانی کے ساتھ مصروف رہا۔ دفعتاً عذرا نے پہلی دفعہ روشن آغا کے کمرے میں اپنے آپ کو غیر محفوظ اور کمزور محسوس کیا، وہ جگہ جہاں پر وہ ہمیشہ محبت اور سلامتی کی تلاش میں آیا کرتی تھی۔

کمرے پر کڑی خاموشی طاری تھی۔ وہ سہمی ہوئی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ وہی پرانی کرسیاں اور صوفے اور پردے اور کتابیں۔ کیسی عجیب بات تھی۔ الماریوں میں جانے کون کون سی کتابیں بھری پڑی تھیں، اس نے کبھی انہیں اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ ان الماریوں میں کون کون سے کپڑے ٹنگے تھے؟ کس کے؟ اس نے کبھی ان پر برش نہ کیا تھا۔ سامنے سبز لیمپ کے نیچے اس کا باپ بیٹھا تھا، تیزی سے بوڑھا ہوتا ہوا، زرد، رنجیدہ اور پُروقار جیسے ایک شریف النسب انسان کو ہونا چاہیے۔ وہ اسے نہ جانتی تھی۔ اس نے کبھی اس کے مخملیں سلیپر سیدھے کر کے نہ رکھے تھے۔ وہ کبھی اس قالین پر بلی کی طرح نہ لیٹی تھی۔ وہ ان سب چیزوں سے اس قدر الگ اس قدر اجنبی ہو چکی

تھی۔ پل کے پل میں کیسی عجیب بات تھی۔

روشن آغا نے کتاب بند کر کے بازو کی چھوٹی میز پر رکھی اور سفید بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ پھر سیدھا اس کی طرف دیکھ کر آزردہ لیکن مضبوط لہجے میں بولے: ”آپ لکھنؤ میں تھیں، بی بی۔“

عذرا نے گونگوں کی طرح اثبات میں سر ہلا دیا۔ روشن آغا نے چشمہ اتار کر کتاب پر رکھا اور ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ملا۔ ”ہم نے سنا آپ نے وہاں کسی ہنگامے میں شرکت کی۔“

”میں نعیم سے ملنے گئی تھی۔“ عذرا نے یکساں آواز میں کہا۔

”تو آپ کا خیال ہے ہم نے غلط سنا؟“ انہوں نے غصے کو دبا کر کہا اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھنے لگے۔

”مجھے تمہارے کارنامے دیکھنے کے لئے چشمے کی ضرورت نہیں ہے۔“ پرویز نے تیزی سے کہا۔ عذرا نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور کوئی سخت بات کہنے کے لئے اس کے ہونٹ کانپے۔ پرویز نے گھبرا کر نظریں ہٹالیں اور راکھ دانی میں انگلی گھمانے لگا۔

”نعیم نے پہلے ہی اپنی حب الوطنی سے ہماری عزت بڑھائی ہے۔ ہمارے خاندان میں پچھلے سو برس سے کسی نے ایسے کام نہ کئے تھے۔“ روشن آغا خفگی اور طنز سے بولے۔ عذرا اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔

”میں نے تمہیں روشن آغا اور روشن محل کا نام برقرار رکھنے کے لئے پرورش کیا۔“ روشن آغا اب واضح طور پر تلخی سے بولے [illegible] آپ [illegible] اور قانون شکنی کریں۔ اب آپ بھی جیل جاؤ گی؟“

جواب دینے سے پہلے وہ ایک لمحے کو دل میں کانپی، پھر سیدھا اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی: ”اس کے ساتھ اور بھی کئی بڑے بڑے لوگ جیل گئے ہیں۔ انہوں نے کوئی گھٹیا جرم نہیں کیا ہے۔“

”مجھے علم ہے جیل میں ان کے ساتھ اخلاقی مجرموں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔“ پرویز راکھ دانی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ٹوٹنے سے پہلے جو چند لمحے بے خیالی کے آتے ہیں ان میں اس نے باری باری کئی بار اپنے باپ اور بھائی کو دیکھا، لیکن جواب نہ دے سکی۔ بے بسی اور ذلت کے شدید احساس کے ساتھ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور رونے لگی۔ آہستہ آہستہ دو بار اس نے کہا: ”بابا...... بابا۔“

چند طویل لمحوں تک دونوں مرد پشیمانی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر پرویز سٹول سے اترا اور باہر نکل گیا۔ روشن آغا نے چشمہ آنکھوں پر لگایا اور دونوں ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر پھرانے لگے۔ پھر چشمہ اتار کر واپس کتاب پر رکھا اور بار بار انگلیوں کو کھولنے اور بند کرنے لگے۔ لیمپ کی روشنی میں وہ بے حد زرد نظر آ رہے تھے اور ان کی انگلیوں کی پوریں کپکپا رہی تھیں۔ پھر وہ اٹھے اور آہستہ آہستہ چلتے عذرا کے سر پر جا کھڑے ہوئے۔ عذرا نے رک رک کر روتے ہوئے کہا:

”بابا...... میرا شوہر جیل میں ہے، اور آپ...... آپ۔“

جیب سے ہاتھ نکال کر انہوں نے آہستہ سے عذرا کے سر پر رکھا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔

ناشتہ کئے اور کسی سے ملے جلے بغیر عذرا نے جا کر اپنے کمرے کھلوائے اور صفائی کروائی۔ پھر وہ دیر تک دریچے میں کھڑی ہاتھ بڑھا کر یوکلپٹس کے پتوں کو توڑتی رہی۔ دوپہر کے قریب اسے بھوک محسوس ہونے لگی۔ کھانا اس نے وہیں پر منگوایا اور خالہ سے جو اسے دیکھنے آئی تھی نرمی سے کہا "میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

کھانا کھا کر وہ پھر دریچے میں جا کھڑی ہوئی۔ کھانا مقوی اور لذیذ تھا اور وہ ایک پُرشکم توانائی اور فرحت محسوس کر رہی تھی۔ وہ احساس جو اکثر بہت سارا رونے کے بعد بھی ہوتا ہے۔ یوکلپٹس کے پتے توڑتے ہوئے اس کی نظر میلے ناخنوں اور بازوؤں پر پڑی جن پر سفر کی تمام گرد جمی ہوئی تھی۔ اس نے نہانے کا ارادہ کیا۔

کپڑے اتار کر اس نے زیتون کا تیل سارے بدن پر ملا اور ہتھیلیوں کی مدد سے آہستہ آہستہ اسے جلد میں جذب کرنے لگی۔ اس نے ربڑ کی طرح دبتی اور ابھرتی ہوئی اپنی کندنی، تندرست جلد کو دیکھا اور اس کے بدن میں گہرا سرور اور امنگ پیدا ہوئی۔ ... جسم میں پیاس چھپی ہوئی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اور کمروں میں پھرنے لگی۔ قدِ آدم آئینے کے سامنے رک کر اس نے جلتی ہوئی آنکھوں سے اپنے جسم کو ہر زاویے سے دیکھا۔ اس کا بدن کنواری لڑکیوں کی طرح کسا ہوا، لچکدار اور مضبوط تھا۔ دیر تک وہ معطل ذہن کے ساتھ بند کمروں میں چکر لگاتی رہی اور اس کے رو ئیں رو ئیں میں سوزش پیدا ہوئی، سوزش اور ... اس ... کے لئے جس سے وہ محبت کرتی تھی۔ حسن اور [illegible]

آخر وہ دریچے کے پتھر پر گال رکھے رکھے وہ رفتہ رفتہ واپس آ گئی۔ اس نے اپنے آپ پر نظر ڈالی اور لال ہو کر غسل خانے میں گھس گئی۔ بڑی دیر نہاتے رہنے کے بعد جب وہ بالوں کو برش کر رہی تھی تو اس کا جسم مردوں کی طرح سرد ہو چکا تھا اور دل میں ایک بے نام سی، بیمار کر دینے والی کسلمندی باقی رہ گئی تھی۔

(۴۴)

C.O. نمبر 19 کا ایک دوسرے اوورسیئر کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور اس نے آہنی ڈنڈے سے مار کر اس کا سر پھاڑ دیا۔ سزا کے طور پر اسے دو ماہ کے لئے کوٹھڑی کی قید اور سخت مشقت کا حکم سنایا گیا۔ سزا کے دوران وہ بند دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھا رہتا اور ہر آنے جانے والے کو گالیاں دیا کرتا۔ اس کے چہرے پر درندوں کی سی بے روح تندی کا اثر نمایاں طور پر بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ برسات کا موسم تھا۔ یہ موسم قیدیوں کے واسطے سارے سال میں دلچسپ موسم ہوتا تھا۔ جب بارش سے دیواروں کا رنگ گہرا ہو جاتا اور آسمان پر بادل ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے اور بہت سی ابابیلیں سروں پر اڑا کرتیں۔ برسات کا موسم ان کے لئے رونق اور تبدیلی کا پیغام لے کر آتا۔

بارش صبح سے ہو رہی تھی۔ جب کپڑے سی سی کر نعیم کی آنکھیں اور انگلیاں درد کرنے لگیں تو اس نے انہیں ایک طرف رکھا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ رک کر خوشی سے آسمان کی طرف دیکھتا اور پھر چلنے لگتا۔ چلتا چلتا وہ .C.O نمبر 19 کی کوٹھڑی کے آگے سے گزرا۔ اس کے دروازے پر تالا لگا تھا اور وہ سلاخوں کے ساتھ ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا۔ نعیم وہاں سے گزر گیا۔ موسم کی وجہ سے وہ دل میں اپنے آپ کو اس قدر مسرور اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا کہ اوورسیئر کا خاموش' پتھریلا چہرہ دیکھ کر اسے کوفت ہوئی اور واپسی پر اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ قیدی نے لمحہ بھر کو بگھیں نظروں سے سگریٹ کی طرف دیکھا' پھر ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔

''جب تم نئے نئے آئے تھے تو میں نے بھی تمہیں سگریٹ دیے تھے۔ اس کا بدلہ اتارتے ہو؟'' اس نے کہا۔

نعیم نے سنی ان سنی کر کے دونوں سگریٹ جلائے اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''تمہیں بہترین موسم میں قید کیا گیا ہے۔'' اس نے سگریٹ کا کش لے کر کہا۔

''موسم؟'' اوورسیئر نے بے خیالی سے دہرایا۔ ''اچھا ہے؟''

''[illegible] نہیں رہے ہو؟''

اس نے باہر دیکھا۔ ''ہاں' اچھا ہے۔۔۔ ابابیلیں ہیں؟''

''[illegible] نعیم نے [illegible] بہت سی ہیں۔''

UrduPhoto.com

اوورسیئر سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینے لگا۔ نعیم کو اس کے استفسار پر دل میں خوشی ہوئی کیونکہ اس نے کبھی ان چیزوں' بادلوں' موسموں' پرندوں وغیرہ کے متعلق دلچسپی ظاہر نہ کی تھی۔ دونوں خاموش بیٹھے برآمدے کی چھت سے ٹپ ٹپ گرتی بوندوں کو دیکھتے رہے۔

سگریٹ ختم کر کے نعیم نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تمہاری داڑھی میں پھر سفید بال آ گئے ہیں۔''

''ایں؟ داڑھی میں؟'' وہ کچھ دیر تک متفکرانہ طور پر داڑھی کو کھینچ کھینچ کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا پھر یکایک آنکھیں نکال کر چیخا۔ ''میری داڑھی میری اپنی ہے۔ تم اس میں کیوں دخل دیتے ہو؟ تم میری عورت ہو؟''

نعیم چالاکی سے ہونٹوں میں ہنسا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں عجیب سا سرور پیدا ہوا' اپنی آزادی اور دوسرے کی قید کا سرور۔ اس کا جی چاہا کہ اوورسیئر کو اس پتھر کے سے سخت اور بے حس شخص کو' جس نے آج تک کبھی کوئی' خواہش کوئی احساس یا کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی تھی' اذیت دے۔ برسوں کا بغض تھوڑی دیر کے لئے اوپر آ گیا۔ یہ بغض بے وجہ تھا' لیکن ایک لمبے عرصے تک جیل کے غیر معمولی ماحول میں رہنے کے بعد ایسے جذبات عام لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس نے جیب سے دوسرا سگریٹ نکالا اور جب اوورسیئر نے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو واپس کھینچ لیا۔

''پہلے وعدہ کرو آئندہ مجھے گالی نہ دو گے۔''

اوور سیئر وحشیوں کی طرح ہونٹ چبانے لگا۔ آخر جب سگریٹ پینے کی خواہش اس پر غالب آ گئی تو وہ غصے اور گالیوں کو ضبط کر کے بولا: ''نہیں دوں گا۔'' اور لالچیوں کی طرح سگریٹ نعیم کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

نعیم نے دونوں سگریٹ سلگائے اور خاموشی سے بارش کو دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ بارش بالکل ختم ہو گئی اور رہا سہا پانی برآمدے کی چھت پر سے قطرہ قطرہ گرنے لگا۔

''آج میں اس کا بھیجا نکال دوں گا۔'' اوور سیئر نے اپنے آپ سے کہا۔

''کس کا؟''

''نمبر 17 کا۔ اس نے مجھ سے افیون طلب کی ہے اور رپورٹ کرنے کی دھمکی دی ہے۔ ناجائز باپ کی ناجائز اولاد۔''

جب دوسرا سگریٹ بھی ختم ہو گیا تو نعیم نے اسے بارش کے پانی میں اچھال دیا اور دھوئیں کے ننھے سے مرغولے کو جو بجھتے ہوئے سگریٹ سے اٹھا تھا ہوا میں تحلیل ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' پھر اس نے پوچھا۔

''نام؟'' اوور سیئر نے داڑھی میں انگلیاں گھمائیں' پھر بالوں کو دہرا کیا اور دانتوں میں لے کر چبانے لگا۔ پھر یکایک غور و فکر کو چھوڑ کر اس نے قہقہہ لگایا۔ ''مہندر۔''

''کیا؟''

UrduPhoto.com

''مادر چود نام بھول گیا تھا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مہندر۔''

''مہندر سنگھ؟'' نعیم نے کچھ اپنے آپ سے' کچھ اس سے پوچھا۔

''سنگھ کی ماں کی۔'' وہ بولا۔ ''خالی مہندر۔''

کچھ دیر کے لئے نعیم کو ایک پرانے' گم شدہ دوست کی تکلیف دہ یاد آئی' لیکن جیل کی لمبی زندگی' جس نے اس کے جذبات کو کند کر دیا تھا' آڑے آ گئی۔

''ہاں تو مہندر'' اس نے کہا۔ ''تم نے قتل کیا تھا؟''

''سات۔''

''سات؟'' نعیم چونک اٹھا۔

جواب میں اوور سیئر فخر سے ہنسا۔

''کیسے؟'' نعیم نے پوچھا۔ وہ نظر جما کر نعیم کو دیکھنے لگا۔ اس کے تیور دیکھ کر نعیم کو گالی یا کسی سخت جواب کی توقع ہوئی' لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس نے خود بخود کہنا شروع کر دیا:

''ہماری سات مائیں تھیں اور ہم گیارہ بھائی تھے۔ بہت سی زمین تھی جس میں ہم سبزیاں اور ہر قسم کے

اناج بویا کرتے تھے۔ دوسری مائیں سب بدشکل اور پھوہڑ تھیں۔ میری ماں سب سے کم عمر اور شکل والی تھی کیونکہ وہ ایک ایسے شخص کی بیٹی تھی جس کے پاس بہترین کپاس کا بیج تھا اور اس نے اپنی بیٹیوں کو کھیتوں میں کام کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا بلکہ وہ گھر میں ہی چھوٹا موٹا کام کر کے پلی تھیں۔ دوسری عورتیں میری ماں سے جلتی تھیں کیونکہ میرا باپ مہینے میں بیس روز ہمارے پاس سوتا اور دس روز باقی سب کے پاس۔ تیسری ماں' جو چڑیل سے مشابہ تھی' ہم سے اس لئے بھی جلتی تھی کہ ہر سال کپاس کی فصل کے موقع پر میری ماں اپنے باپ کے گھر سے سوت لا کر میرے باپ کے لئے کپڑے بنایا کرتی تھی۔ اس کا بیٹا بڑا بدمعاش تھا۔ وہ اسے ہمارے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ وہ مجھ سے عمر میں بڑا اور طاقتور تھا اور مجھ سے جھگڑنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا تھا۔ کئی دفعہ اس نے ادھر اُدھر کے بہانے کر کے مجھے کھیتوں میں پکڑ کر مارا۔ میں اس وقت چپ رہا لیکن دل میں ارادہ کر لیا کہ بڑا ہو کر اس کا بدلہ لوں گا۔ جب میرا باپ مر گیا تو میری ماں نے دوسری عورتوں سے کہا کہ اب ہمارا مرد مر گیا ہے اور فساد کی جڑ ہی نہیں رہی اس لئے اب ہمیں صلح سے رہنا چاہیے [illegible] لیکن میرے دل میں کینہ بیٹھ چکا تھا جوں جوں بڑا ہوتا گیا اسے پالتا رہا۔ میرا بھائی بھی ساتھ ساتھ بڑا ہو گیا اور وہ بڑا بدمعاش نکلا۔ اس نے گاؤں میں بدمعاشوں کا گروہ بنا لیا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے۔ وہ لوگوں کے بیل چرا کر بیچ دیتے اور کسانوں کی عورتیں اٹھا کر لے جاتے اور کھڑی فصلیں کاٹ لیتے۔ گاؤں والے ان سے خوف کھاتے تھے۔ ایک روز میں اپنے کھیت میں کھڑا تھا کہ وہ [illegible] بولا ''تمہاری ماں فاحشہ عورت ہے۔ اس نے تمہارے باپ کی عزت مٹی میں ملا دی ہے۔ وہ موچیوں اور کمین لوگوں کے ساتھ سوتی ہے'' یہ سن کر مجھے دکھ ہوا۔ میں نے کہا ''اس وقت میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہارے ساتھ تمہارے ساتھی ہیں اور میں اکیلا ہوں۔ لیکن یاد رکھو ایک نہ ایک دن میں تمہیں قتل کر دوں گا۔'' وہ میری دھمکی کا مذاق اڑا کر چلا گیا۔

''اس رات میں نے اپنی ماں سے پوچھا۔ ''موچیوں کے ساتھ تمہارے تعلقات کیسے ہیں؟''

اس نے کہا' اچھے ہیں۔' اس پر میں نے اسے بھائی کی بات بتائی اور اسے قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ سن کر میری ماں خوف زدہ ہو گئی اور دروازے کی کنڈی لگا کر باہر چلی گئی۔ جب کافی دیر گزر گئی تو میں نے اٹھ کر اندر سے دروازے کے قبضے اکھاڑے اور باہر نکل آیا۔ میری ماں کی چارپائی خالی تھی۔ اسی وقت میں نے اسے گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ میرا شک مکمل ہو گیا۔ میں نے اس کا گلا گھونٹ کر وہیں پر اسے ختم کر دیا۔ اسی رات کو میں نے بدمعاش بھائی کو بھی قتل کر دیا اور جنگل میں بھاگ گیا۔ وہاں پر مجھے چند ایسے آدمی مل گئے جو میری طرح مفرور تھے اور بھوکے مر رہے تھے۔ ہم نے صلاح کر کے گروہ بنایا اور ڈکیتیاں شروع کر دیں۔ ایک روز خواہش کے زور کرنے پر میں چھپ چھپا کر اپنی بیوی سے ملنے کے لئے گاؤں گیا تو دیکھا کہ میرے بچے کو اس بدمعاش کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔ میں پاگل ہو گیا۔ ایک پہر کے اندر اندر میں نے اس بدمعاش کی بیوی اور چاروں بیٹوں کو ہلاک کر دیا اور واپس آ گیا۔ کافی عرصے تک ہم ڈاکے مار کر اور مسافروں کو لوٹ کر پیٹ پالتے رہے۔ آخر ایک روز

شراب پی رہے تھے کہ پکڑے گئے۔ میرے قتلوں کے عینی گواہ موجود نہ تھے چنانچہ مجھ پر ڈکیتیوں کے مقدمے چلے اور اڑتالیس سال کی سزا ملی۔ ایک سگریٹ دو۔"

"نہیں ہے۔" نعیم نے کہا۔ وہ غصے میں بھرا ہوا بیٹھا رہا۔

اب رفتہ رفتہ دن کا اجالا غائب ہو رہا تھا۔ بارش پھر شروع ہو چکی تھی۔ یکایک نعیم نے محسوس کیا کہ مہندر نے بیٹھے بیٹھے بھاری بھاری سانس لینے شروع کر دیے ہیں۔

"اس کے بعد میں نے اس جگہ کو اپنا گھر بنا لیا۔ اب انہوں نے یہاں پر ہی مجھے قید کر دیا ہے۔ سؤر۔ کتے۔" یہاں آ کر اس کی آواز پھیل کر پھٹ گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں میں سلاخوں کو پکڑ کر وحشیوں کی طرح دروازے کو جھنجھوڑا۔ نعیم نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر دفعتاً وہ رونے لگا۔ عذاب کی شدت سے اس کا چہرہ بدنما ہو گیا تھا اور وہ ایک ایسے آدمی کی طرح رو رہا تھا جو رونے سے قطعی نا آشنا ہوتا ہے جیسے کتا کھانستا ہو۔

"میری بیوی دوسرے مرد کے ساتھ سوتی ہے۔ میں نے برسوں سے......" اس نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

اس ادھیڑ عمر کے سخت گیر انسان کو جیل کی تمام تر ناداری، اذیت اور کوفت کے بوجھ سے ٹوٹ کر بچے کی طرح روتے ہوئے دیکھ کر نعیم کے دل میں ایک خوفناک احساس پیدا ہوا۔

جس [illegible] چپ ہو گیا۔ خاموش بھاری بھاری سانس لیتے ہوئے، ایک دوسرے سے نظریں بچاتے ہوئے وہ دونوں بیٹھے رہے۔ پھر ادھیڑ اپنی کرخت آواز میں بولا:

"تم بھیڑیے کی طرح سخت دل ہو۔"

اس دوسرے شخص کے دکھ اور اپنی رکھائی پر نعیم کو اپنے کمینے پن کا احساس ہوا۔ وہ ندامت سے ہنسا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں مانتا ہوں کہ جیل رہنے کے لئے اچھی جگہ نہیں ہے۔" اس نے سلاخوں پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ میں نے بھی کئی برس سے کچھ نہیں دیکھا۔ مثلاً باغ، اور بچے...... اور انار...... انگور۔"

وہ کوشش کر کے دوبارہ ہنسا اور ادھ بیتے کپڑوں کا گٹھا اٹھا کر اپنی کوٹھری کی طرف چلا گیا۔

(۲۵)

جس روز نعیم رہا ہوا اس کے ساتھیوں نے جیل کے دروازے پر اس کا استقبال کیا اور اسے پھولوں سے لاد دیا۔ جیل کی بے آب و گیاہ دنیا سے نکل کر دفعتاً اتنے بہت سارے خوشبودار رنگ رنگ کے پھول اور پرانے ساتھی پا کر۔ وہ لوگ جن کے چہروں پر محبت اور احسان مندی کے کثیر جذبات تھے......نعیم کے سینے کا خلا پُر ہو گیا